۹- ز پیغامبر که داری سرمهٔ مازاغ در همت
که نظارهٔ پنهان همان در چشم بینا کن

۱۰- چو مشغول جالی وز[1] سوی الله چشم بر بستی[2]
ازانجانب نگویم سوی دیگر چشم را وا کن

۱۲- ز عزت علویان جایت بچشم خود پسندیده
ز گریه بی تو ما را آب مروارید در دیده

(۱۱)

۱- بشادروان حق روح پیمبر همنشین بادت
فروتر جایگه[4] بالاتر از خلد برین بادت

۲- زمینی کز ره صورت درینجا خوابگه داری
شعاع مهر نور الله بساط این زمین بادت

۳- بر آنگونه[5] که اینجا یار بودت عون یزدانی
بدآنجا هم عنایتهای ربانی قرین بادت

۴- چو تو جبریل قدری را ادب نبود مگس خواندن
که گویم ره سوی طوبای و شیرو انگبین[6] بادت

۵- ترا چون روشنی ز انوار دین بودت در این دنیا
بظلمات لحد مشعل همان انوار دین بادت

۶- چو بودی فرد دهر و فرد رفتی کی توان گفتن
که غلمانت غلام و یا حواری حور عین بادت

۷- چو عشق پاک را ز آلایش شهوت نیالودی
وصال جاودان از قرب رب‌العالمین بادت

۸- ز گنج معرفت سرمایه[8] علم الیقین بودت
همان علم‌الیقین رهبر سوی عین الیقین بادت

۹- چو گشت روضه[8] جنت بدنبال نبی خواهی
براق ازرق[7] او فروتر زیر زین بادت

۱۰- چو با حبل الوریدت بود محکم عقد حبل الله
کمند کنگر قربت همان حبل المتین بادت

۱۲- چو در دیدار چشم آرزو[9] را درگشاد آری
در آن حالت ز حال خسرو بیچاره یاد آری

۱- ن ل : و از   ۲- ن ل : بر بسته   ۳- نسخهٔ اساسی بیت یازدهم ندارد
۴- ن ل : جایکه   ۵- ن ل : بران گونه   ۶- ن ل : شیرنگبین
۷- ن ل : براق از برق   ۸- نسخهٔ اساسی بیت یازدهم ندارد   ۹- ن ل : ارزد

تبسم کاشمیری*

انجمن پنجاب ، اورینٹل یونیورسٹی کی تحریک اور سرسید احمد خان

۲۱ جنوری ۱۸۶۵ء کو لاہور کے سکھشا سبھا ہال میں لاہور کے پڑھے لکھے سنجیدہ لوگوں کا ایک جلسہ ڈاکٹر لائیٹنر کی سرپرستی میں منعقد ہوا ، جس میں ہندوستان کے دیگر شہروں کی طرز پر ایک نئی سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا اور اس کا نام ''انجمن اشاعت مطالب مفیدہ پنجاب'' تجویز کیا گیا اور بعد ازاں اس انجمن کو ''انجمن پنجاب'' کے نام سے زبردست شہرت حاصل ہوئی اور اس انجمن نے برصغیر کی تہذیبی اور ادبی نشاۃ الثانیہ میں ایک اہم کردار ادا کیا ۔

انجمن پنجاب کے اس تاسیسی جلسے میں پنڈت من پھول کو انجمن کا صدر اور منشی ہرسکھ رائے اور بابو نوبین چندر کو سیکرٹری مقرر کیا گیا ۔

انجمن پنجاب کے اغراض و مقاصد یہ تھے کہ مشرق کے قدیم علوم کو ترقی دینے کے اسباب مہیا کیے جائیں ۔ مغربی علوم کو سیکھنے کے لیے دیسی زبانوں کا استعمال کیا جائے ۔ ملک کی قدیم فرسودہ رسومات کو ترک کرنے کی تحریک چلائی جائے اور حکومت و عام لوگوں کے درمیان مسائل حل کرانے کے لیے رابطہ قائم کیا جائے ۔

انجمن پنجاب کے مقاصد برطانوی حکومت کی سرکاری پالیسیوں کے عین مطابق تھے ۔ حکومت پنجاب کی سرکاری کارروائیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انجمن کے آغاز ہی سے اسے سرکاری سرپرستی حاصل ہوگئی تھی ، اور پنجاب کے لفٹیننٹ گورنر سر ڈانلڈ میکلوڈ ، انجمن کے اغراض و مقاصد اور اس کی کارروائیوں میں ذاتی طور پر دلچسپی رکھتے تھے ۔ خاص طور پر مشرقی علوم کی ترویج و اشاعت اور دیسی زبانوں کو ذریعۂ تعلیم بنانے کی تحریک میں وہ محرک ثابت ہوئے تھے ۔ ۶ فروری ۱۸۶۵ء کو ڈاکٹر لائیٹنر نے ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن پنجاب کو ایک خصوصی مراسلے کے ذریعے انجمن پنجاب کے منصوبوں کی اطلاع دیتے ہوئے حکومت سے مدد کے لیے درخواست کی ۔[1] سیکرٹری حکومت پنجاب نے ان منصوبوں کے لیے لفیٹننٹ گورنر پنجاب کی خوشنودی کا اظہار کیا ۔ اس خط کا متن ملاحظہ ہو :

---

*اسسٹنٹ پروفیسر اردو برائے غیر ملکی طلبہ پنجاب یونیورسٹی ۔

From the Secretary to Government Punjab, to the Director of Public Instruction Punjab, No. 120, dated 2nd March 1865.

I am directed to acknowledgo the receipt of your letter No. 82, dated 20th February, reporting the establishment at Lahore, by Dr. Leitner, of a Vernacular Scientific and Literary Society, and proposing a grant-in-aid of 150 rupees for the purchase of Oriental works in addition to those already contributed by the members.

2. In reply I am directed to convey His Honor's sanction to the grant proposed, and to remark that His Honor highly appreciates Dr. Leitner's exertion and will be glad to aid them in every mode which may be feasible.

3. His Honor will further be glad to know from time to time of the progress of the institution.[2]

انجمن پنجاب نے مشرقی زبانوں کی اشاعت کے لیے اپنے قیام کے پہلے ہی سال میں ان زبانوں کا امتحان لینے کے لیے کمیٹیاں مقرر کیں ۔ اس سلسلے میں عربی ، فارسی ، اردو اور سنسکرت میں امتحان منعقد کروانے کے لیے خصوصی کمیٹیاں بنائی گئیں اور ان میں سے ہر زبان کے لیے پچاس روپے کا انعام مقرر ہوا ۔ اور امتحانوں کے لیے قواعد بھی مقرر کیے گئے ۔[۳] دیسی زبانوں کی سرپرستی کرتے ہوئے انجمن پنجاب کو لفٹیننٹ گورنر پنجاب نے امتحانات کے لیے اپنے پاس سے ماعه روپے دیے ۔ سر ڈانلڈ میکلوڈ نے انجمن کی سرپرستی کرتے ہوئے ۲۹ اپریل ۱۸۶۵ء کو انجمن کے ایک اجلاس میں شرکت کی ۔ انھوں نے اس جلسے میں انجمن کے بنیادی اغراض و مقاصد کی تائید کی اور خاص طور پر دیسی زبانوں کو تعلیمی ترقی کے لیے اختیار کرنے کی اہمیت واضح کی ۔ ان کی تقریر سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو :

"طالب علمان دیس کو چاہیے کہ زیادہ تر ترقی تحصیل علوم اپنے دیس کی زبان میں کریں نہ یہ کہ اپنی زبان سے بے بہرہ رہیں اور غیر زبان میں ترقی کریں ۔ اگر اول اپنی زبان میں ترقی کامل کریں گے تو غیر زبان میں ترقی حاصل کرنی سہل ہوگی ۔ اس باب میں زیادہ تر کوشش صاحب پرنسپل (ڈاکٹر لائیٹنر) اور صاحب ڈائریکٹر بہادر پنجاب کی بکار ہے ۔"[۴]

مقامی زبانوں اور مشرقی علوم کی سرپرستی کی یہ پالیسی اس عہد کی برطانوی حکمت عملی میں شامل تھی ۔ جس کا مقصد مقامی باشندوں کی ہمدردی اور تعاون حاصل کرنا تھا ۔ برطانوی حکومت اس حکمت عملی کے ذریعے ۱۸۵۷ء کے خون ریز واقعات کی تلخیوں کو ختم کرنا چاہتی تھی اور اس ابتدائی دور میں اس

مقصد کے لیے علمی ، تعلیمی اور ثقافتی سوسائیٹیوں سے یہ کام لیا جا رہا تھا ۔ سر ڈانلڈ میکلوڈ نے اسی حکمت عملی کو لے کر ایک قدم اور آگے بڑھایا اور خصوصی احکامات جاری کیے جنہیں سیکرٹری حکومت پنجاب نے مراسلہ نمبر ۲۹۶ کے ذریعے ۱۰ جون ۱۸۶۵ء کو ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن پنجاب تک پہنچایا ان احکامات میں یہ کہا گیا تھا کہ اب وقت آ پہنچا ہے کہ پنجاب کے محکمہ تعلیم کو پہلے سے زیادہ فیصلہ کن انداز میں ورنیکلر ادب کی توسیع اور تخلیق کے سلسلے میں اقدامات کرنے چاہییں ۔ کیونکہ یہ حکومت کا فرض ہے کہ ہندوستانی قوم کے مستقبل کے لیے نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرے ۔ موجودہ کام کی رفتار کو تیز کرنے اور اسے مزید ترقی دینے کے لیے کام کرنا چاہیے ۔ لفٹیننٹ گورنر کی طرف سے اسی سلسلے کی جملہ تجاویز کے لیے خوشنودی کا اظہار کیا گیا تھا ، اور ہر طرح سے ممکن حد تک مالی تعاون کی پیش کش کی گئی تھی ۔ اس تاریخی مراسلے کا متن یہ ہے :

From the Secretary to Government Punjab, to the Director of Public Instruction Punjab, No. 296, dated 10th June 1865.

The Lieutenant Governor is of opinion that the time has arrived when the Educational Department of the Punjab should take some more decided steps than it heretofore done towards the creation or extention of a Vernacular Literature. The Scientific Associations of the North Western Proviuces, founded by the Principal Sudder Ameen Suyad Ahmad, and other bodies or individuals elsewhere, no doubt have done, and are doing, something towards this end, and there efforts are deserving of all commendation and encouragement ; but is more especially incumbent on the Government, in His Honor's opinion, to take a prominent lead in a matter so intimately connected with the future progress of the Indian nation. What the extension of English education, the facilities for transferring into the languages of the country the knowledge, literatnre, and science of the West have vastiy increased ; but it seems pretty certain that unless some specific action be takeo on our part, and some really effective stimulus applied the process will be carried on at a rate much less rapid than is desirable, and in seme sense necessary, if we would do justice to the position in which the Ruler of Events has seen fit to place us here.

2. His Honor will be glad, therefore, to be favored with such suggestions on this subject as may occur to you, after communicating with others interested in such subjects and capable of advising. I am to add that limited as is the amount at our disposal for Educational

purposes, His Honor, neverthless, considers it indispensable that a portion of this be yearly set apart for the prosecution of this most important work, and will be quite prepared to devote to it as large a sum as you may be disposed to recommend.[5]

لفٹیننٹ گورنر کا یہ مراسلہ ایک سرکار کی شکل میں انجمن پنجاب کے پاس بھی پہنچا اور پنجاب میں اس سرکار کو عملی جامہ پہنانے کے لیے انجمن پنجاب حرکت میں آ گئی۔ ڈاکٹر لائیٹنر جو مشرق علوم اور مشرق زبانوں سے بے حد دلچسپی رکھتے تھے اس وقت آگے بڑھے اور انھوں نے اگست ۱۸۶۵ء کے پہلے ہفتے میں لاہور کے سرکردہ رؤسا کے سامنے ایک بھرپور عملی پروگرام پیش کرکے ان سے تعاون کی درخواست کی۔ لاہور کے رؤسا کے نام یہ اپیل پنجاب یونیورسٹی کی تشکیل کا پہلا پتھر کہی جا سکتی ہے:

ڈاکٹر لائیٹنر نے حاضرین سے مخاطب ہوتے ہوئے اس جلسے کی اہمیت واضح کی:

”جس مضمون کی بابت میں آج آپ صاحبان کے سامنے بحث کرنا چاہتا ہوں وہ ملک اور گورنمنٹ اور خاص تمہارے لیے نہایت مفید ہے۔

مجھے آپ صاحبان کی اس جلسہ میں تشریف آوری نے نہایت معزز کیا اور یہ جلسہ میں یقین کرتا ہوں کہ اس ملک کی تاریخ میں ایک نہایت مشہور واقعات میں سے ہوگا۔ آپ صاحبان اس طرف توجہ کریں اور یقین رکھیں کہ جس شخص کی طرف آپ توجہ مبذول کر رہے ہیں وہ باشندگان ہندوستان کا فقط دلسوز ہی نہیں بلکہ تم صاحبان میں سے ہر ایک کی دوستی کا بدل خواہاں ہے۔“[6]

ڈاکٹر لائیٹنر نے کہا کہ اس وقت سب سے اہم مسئلہ تعلیم کی ترقی ہے اور تعلیمی ترقی کے بارے میں حکومت کی پالیسی کیا ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے انھوں نے یہ بیان دیا:

”سیکرٹری آف سٹیٹ کے مراسلہ سر رشتۂ تعلیم کو ملاحظہ کرو کیا اس کا منشا یہ نہیں ہے کہ ہم کو ایسا سر رشتۂ تعلیم جس کو عوام الناس خود مقرر کریں قائم کرنا چاہیے وہ اس جلسے کا نتیجہ ہوگا ایسا سر رشتہ تعلیم جس کو تم خود مقرر کرو گے اور تم خود اس کی اعانت و تکمیل کی ذمہ داری اپنے سر پر رکھو گے اور اس بات کی انجام دہی کے لیے اس وقت سے اچھا موقع نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ ہمارے عالم و نیک دل لفٹیننٹ گورنر بہادر سر ڈانلڈ میکلوڈ صاحب کا دلی منشا ہے کہ ہندوستان کی زبانہائے قدیم مستحفظ رہیں اور اس کے دیسی علم و ادب کی تکمیل ہووے اور

علم جدیدہ کا اس طرح رواج ہووے کہ علم قدیمہ کو کچھ نقصان نہ پہنچے ۔''۷

ڈاکٹر لائیٹنر نے حکومت پنجاب کی تعلیمی حکمت عملی کی وضاحت کرتے ہوئے اس کے دو بڑے مقاصد بتائے ۔

۱۔ قدیم مشرقی علوم کو ازسر نو زندہ کرنا ۔

۲۔ اس ملک کی دیسی زبانوں کی تکمیل ۔

پہلے مقصد کے حصول کے لیے انھوں نے کہا کہ عربی ، فارسی اور سنسکرت کے تمام علمی مخازن کو یکجا جمع کر دیا جائے اور ان زبانوں میں قدیم علوم پر کتابیں لکھے جانے کی ترغیب دی جائے ۔ دوسرے مقصد کے بارے میں انھوں نے یہ رائے دی کہ یورپ کے مستند مصنفوں کی کتابوں کا دیسی زبانوں میں ترجمہ کیا جائے اور انعامات و نوکریوں کے ذریعے سے ان لوگوں کی قدر دانی کی جائے ۔

اس موقع پر ڈاکٹر لائیٹنر نے پنجاب کے لیے ایک جداگانہ یونیورسٹی کی تحریک پیش کی اس یونیورسٹی کے بارے میں انھوں نے کہا :

''اس یونیورسٹی کے مربی لفٹیننٹ گورنر صاحب اور اس کے گورنر راجگان پنجاب اور اس کے سینٹ کے ممبر رؤسا و شرفاء پنجاب ہوں گے ۔ اور ایک کمیٹی واسطے حفظ و ترقی علوم مسلمانان و ہندوان و سکھاں مقرر ہوگی اور سرکاری تعلیم اور اس سر رشتہ کی تعلیم میں یہ فرق ہوگا کہ یہ سر رشتہ تعلیم دینے اور تعلیم پانے میں آزادی مطلق کے اصول کو برتے گا تمام ملک میں خاص وقت میں تمام علوم اور زبانہائے مشرق میں امتحان لینے کے لیے کمیٹیاں مقرر کی جائیں گی اور بڑے بڑے شہروں میں لائق لیکچرار مقرر کیے جاویں گے ۔ یہ لیکچرار امتحان کے واسطے تعلیم دیں گے ۔ ہر ایک شخص امتحان میں داخل ہو سکتا ہے اور اگر لائق ہو تو ڈگری اور خطاب پا سکتا ہے ۔ قصہ مختصر کہ ہماری اسی سر رشتہ تعلیم میں سب طرح کی آزادی اور ترغیب ہے اور ممانعت اور روک کسی طرح کی نہیں ۔''۸

ڈاکٹر لائیٹنر نے ابتدائی طور پر اس مجوزہ یونیورسٹی کو دارالعلوم مشرق یا اورئینٹل یونیورسٹی کا نام دیا ۔ اس مشرقی دارالعلوم کی ہیئت کیا ہوگی اس بارے میں ڈاکٹر لائیٹنر نے یہ بتایا کہ یہ ہندوستان کا قومی دارالعلوم ہوگا جو مشرق علوم ، ادب اور مغربی فنون کی اعلیٰ تعلیم کا ادارہ ہوگا ۔ اس کا خاص مقصد یہ ہوگا ۔

''ہندوستان میں مغربی فنون کی عمارات کو دیسی زبانوں کی عمارات پر اٹھانا چاہیے اور فقط دیسی زبان کی تعلیم سے وہ تہذیب ذہنی حاصل ہو سکتی ہے جس کے بغیر ہر ایک طرح کا علم لغو اور دھوکہ کی ٹٹی ہے ۔''۹

انجمن پنجاب نے اورئینٹل یونیورسٹی کی تحریک چلانے کے لیے اس پہلے جلسے میں دیسی زبانوں کو ذریعۂ تعلیم قرار دینے کے جس منصوبے کی اہمیت پر زور دیا تھا ۔ انجمن اس منصوبے کو لے کر آگے بڑھی اور پورے پنجاب میں نہایت سرگرمی سے اس تحریک کی افادیت پر زور شور سے جلسے منعقد ہونے لگے ۔ لائیٹنر ان جلسوں کی روح رواں تھے اور انھوں نے مذکورہ بالا مقاصد کے حصول کے لیے تندہی سے کام کیا ۔

انجمن پنجاب کی اورئینٹل یونیورسٹی کی تحریک جاری تھی کہ برصغیر کے بعض حلقے اس سے متاثر ہونے لگے ۔ انجمن کی اس تحریک کی خبریں برصغیر سے نکل کر لندن کے علمی اور صحافتی حلقوں تک جا پہنچیں جہاں ان عزائم کی خاطر خواہ طور پر پذیرائی کی گئی اور اسے نہایت مفید تحریک قرار دیا گیا ۔

برصغیر میں اس تحریک نے سرسید احمد خان کو خاص طور سے متاثر کیا ، اور انجمن پنجاب کے اس منصوبے کی روشنی میں انھوں نے خود ایک ورنیکلر یونیورسٹی کا پروگرام تشکیل دیا اور ڈاکٹر لائیٹنر کو اس ورنیکلر یونیورسٹی کا خاکہ بھیج کر اُن سے رائے بھی طلب کی جس کا ذکر انجمن کی روئداد میں موجود ہے ۔[١٠] عام طور سے یہ خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ ورنیکلر یونیورسٹی کا تصور سرسید کی ذہنی تخلیق ہے ۔ جیسا کہ مولوی عبدالحق نے یہ تاثر دیا ہے :

> ''حیرت ہوتی ہے کہ اس زمانے میں جب کہ انگریزی تعلیم کا آغاز تھا سرسید کو دیسی یونیورسٹی قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا ۔ اس سے اُن کی روشن خیالی اور دور اندیشی کا پتہ لگتا ہے ۔''
>
> ''دیسی زبان کی یونیورسٹی قائم کرنے اور اس کے ذریعے اعلیٰ تعلیم دینے کی تجویز سب سے پہلے سرسید نے سوچی ۔''[١٢]

شیخ محمد اسماعیل پانی پتی بھی ورنیکلر یونیورسٹی کے متن کا ابتدائیہ لکھتے ہوئے اسی نوعیت کا تاثر دیتے ہیں :

> ''سرسید کی ذہانت اور دوربینی پر تعجب آتا ہے کہ انھوں نے ایسے وقت میں ایسی یونیورسٹی کی تحریک اٹھائی جب انگریزی تعلیم کا آغاز تھا ۔ سارے ملک پر انگریزی تسلط پورے طور پر بیٹھا ہوا تھا اور ان حالات میں اپنی مادری یونیورسٹی قائم کرنے کا خیال دماغ میں آ ہی نہیں سکتا تھا ۔''[١٣]

حقیقت تو یہ ہے کہ ورنیکلر یونیورسٹی کا تصور سرسید احمد خان کی ذہنی تخلیق نہیں تھا ۔ اس کی باقاعدہ داغ بیل انجمن پنجاب نے ڈالی تھی اور انجمن ہی

سے متاثر ہو کر سرسید نے ورنیکار یونیورسٹی کا خاکہ تیار کیا تھا ۔ انھوں نے برٹش انڈین ایسوسی ایشن سے اضلاع شمال مغرب کے ذریعے گورنر جنرل کی خدمت میں ایک عرض داشت اس مقصد سے پیش کی تھی جس کا متن ۹ اگست ۱۸۶۷ء کے اخبار سائینٹفک سوسائٹی علی گڑھ میں شائع ہوا تھا ۔ اس عرضداشت میں ذریعہ تعلیم بدلنے اور ایک نئی یونیورسٹی قائم کرنے کی تجویز پیش کی گئی تھی ۔ عرضداشت میں کہا گیا تھا ۔

''ہم مسکینی اور نہایت عاجزی سے گزارش کرتے ہیں کہ گورنمنٹ ہند اعلیٰ درجے کی تعلیم عام کا ایسا سر رشتہ قائم کرے جس میں بڑے بڑے علوم و فنون کی تعلیم دیسی زبان کے ذریعے سے ہوا کرے اور دیسی زبان میں انھیں مضمونوں کا امتحان سالانہ ہوا کرے جس میں کہ اب طالب علم کلکتہ یونیورسٹی میں انگریزی زبان میں امتحان دیتے ہیں اور جو سند اب انگریزی زبان کے طالب علموں کو علم کی مختلف شاخوں میں لیاقت حاصل کرنے کے عوض میں عطا ہوتی ہیں وہی سندیں ان طالب علموں کو عطا ہوا کریں جو انھیں مضمونوں کا دیسی زبان میں امتحان دے کر کامیاب ہوں ۔ حاصل یہ ہے کہ خواہ تو ایک اردو فریق کلکتہ کی یونیورسٹی میں قائم کیا جائے یا ممالک شمالی و مغربی میں ایک یونیورسٹی دیسی زبان کی علیحدہ مقرر کی جائے ۔''۱۴

سرسید احمد خان نے نصابی کتابوں کے مسئلے پر بھی روشنی ڈالی اور اس مسئلے میں جو مشکلات درپیش تھیں ان کا حل بھی تجویز کیا ۔

''یہ بات البتہ سچ ہے کہ بالفعل ایسی کتابیں دیسی زبان میں موجود نہیں ہیں جن کے ذریعے سے طالب علم اس درجہ تک علم کی تحصیل کر سکے جو اب یونیورسٹی میں امتحان دینے کے واسطے ضروری ہوتا ہے ۔ لیکن ایسی کتابوں کا موجود ہو جانا کوئی مشکل امر نہیں ہے ۔ جو کتابیں یونیورسٹی کے امتحان کی فہرست میں مندرج ہیں ان کے ترجمے دیسی زبان میں تیار ہو سکتے ہیں اور بعض مضمونوں کی اصل کتابیں تصنیف ہو سکتی ہیں ۔ چنانچہ بہت سے عالم و فاضل اس کام کے لائق موجود ہیں اور علی گڑھ کی سائنٹیفک سوسائٹی اس کام کو انجام دے رہی ہے ۔''۱۵

سرسید احمد خان کی پیش کردہ عرضداشت سے تین اہم نکات سامنے آتے ہیں ۔

۱۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دیسی زبان کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے ۔

۲۔ اعلیٰ تعلیم دیسی زبان میں دینے کے لیے نصابی کتب کے تراجم کی تیاری کا کام سائنٹیفک سوسائٹی انجام دے سکتی ہے ۔

۳۔ شمالی مغربی اضلاع میں ایک جداگانہ ورنیکلر یونیورسٹی کا قیام عمل میں لایا جائے یا پھر کلکتہ یونیورسٹی کے موجودہ نظام میں اردو ذریعہ امتحان کا الگ شعبہ قائم کیا جائے۔

۱۸۶۹ء میں سرسید احمد خان انگلستان چلے جاتے ہیں۔ جہاں وہ خطبات احمدیہ کے کام میں مصروف ہوگئے۔ مگر دیسی زبان میں تعلیم دینے کا تصور ان میں مکمل طور پر راسخ رہا بلکہ اس میں مزید پختگی پیدا ہوتی گئی۔ انگلستان کی زبردست تہذیبی و علمی ترقی کو دیکھ کر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اس شاندار ترقی کا راز یہ ہے کہ یہاں قومی زبان کو ذریعہ تعلیم بنایا گیا ہے۔ سیکرٹری سائنٹیفک سوسائٹی کے نام اپنے ایک مکتوب میں انھوں نے ان خیالات کا اظہار کیا ہے۔ یہ خط ۱۵ اکتوبر ۱۸۶۹ء کو لکھا گیا ہے:

"تمام ترقی کا باعث انگلستان میں صرف یہ ہے کہ تمام چیزیں، تمام علوم، تمام فن جو کچھ ہے اسی قوم کی زبان میں ہے جو عموماً یا قریب عموماً کے بولی جاتی ہے۔ گو ابھی انگلستان میں بعض مقاموں کی زبانیں ایسی گنواری ہیں جن پر انگریزی کا اطلاق کرنا مشکل ہے، مگر انگریزی زبان انگلستان میں ایسی ہے جیسے ہندوستان میں علی الخصوص شمال و مغربی اضلاع اور صوبہ بہار میں اردو، جس کو ہر کوئی سمجھ سکتا ہے۔ پس وہ لوگ جو ہندوستان کی بھلائی اور ترقی چاہنے والے ہیں۔ وہ یقین جان لیں کہ ہندوستان کی بھلائی صرف اسی میں منحصر ہے کہ تمام علوم اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ تک انھی کی زبان میں ان کو دے جاویں۔"[16]

اسی مکتوب میں سرسید احمد خان نے اس نظریہ کے پیش نظر ایک دعویٰ بھی کیا ہے، سرسید کی تحریروں میں تاریخی نوعیت کے اس بیان کو ملاحظہ فرمائیے۔

"میری یہ رائے ہندوستان کے ہمالیہ پہاڑ کی چوٹی پر بڑے بڑے حرفوں میں آئندہ زمانہ کی یادگاری کے لیے کھود دے جاویں۔

اگر تمام علوم ہندوستان کو اسی کی زبان میں نہ دے جاویں گے کبھی ہندوستان کو شائستگی و تربیت کا درجہ نصیب نہیں ہونے کا۔ یہی سچ ہے یہی سچ ہے یہی سچ ہے۔"[17]

۱۸۸۰ء میں جب کہ پنجاب یونیورسٹی کی تحریک زور پر تھی اور برطانوی حکومت اس بات پہ تقریباً رضامند ہوگئی تھی کہ مشرقی علوم اور زبانوں کو اس مشرقی یونیورسٹی میں از سر نو زندہ کیا جائے، ذریعہ تعلیم ممکن حد تک دیسی زبان کو بنایا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ انگریزی اور مغربی علوم کی تعلیم دی جائے۔ ڈاکٹر لائیٹنر اور ان کے پیرو یہ چاہتے تھے کہ مشرق و مغرب کے بہترین

علوم کی تربیت کا مرکز یہ اورئینٹل یونیورسٹی بنے ۔ اسی زمانہ میں لارڈ رپن لاہور آئے تو انجمن پنجاب اور پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے انہیں الگ الگ ایڈریس پیش کیے گئے اور تعلیم کے سلسلے میں پنجاب کا نقطۂ نظر پیش کیا گیا ۔ پنجاب یونیورسٹی کے ایڈریس کے جواب میں لارڈ رپن نے کہا :

''جہاں تک میری محدود واقفیت معاملات ہندوستان میں ہے میں ان خیالات سے اتفاق رکھتا ہوں جو میرے یقین میں آپ لوگ رکھتے ہیں کہ اس ملک میں صرف زبانہائے دیسی کے توسل سے علوم و فنون کی ترقی و اشاعت بہترین سہولت سے ہو سکتی ہے ۔''

''مجھے آپ کے ایڈریس سے اس بات کے دریافت ہونے سے بہت ہی خوشی حاصل ہوئی ہے کہ آپ کا خاص منشا زبان ہا اور علوم ہائے مشرق کے ترقی دینے کا ہے آپ ہرگز تعلیم مغربی کے فوائد سے کان بند نہیں کرتے اور نیز اس امر کے دریافت ہونے سے کہ آپ لوگ زبان انگریزی ، انشائے انگریزی اور علوم و فنون انگریزی کی ترقی کو برطرف رکھنا نہیں چاہتے مجھے یقین ہے کہ صرف علوم مشرق اور مغربی کو مساوی ترقی دینے ہی سے آن اقوام مختلف میں بطور کامل رشتۂ محبت پیدا ہو سکتا ہے جو ملک کی سر زمین میں آ کر جمع ہوئی ہیں ۔''[۱۸]

لارڈ رپن کے بیانات اور برطانوی حکمت عملی سے یہ امید پیدا ہو چکی تھی کہ اورئینٹل یونیورسٹی وجود میں آ جائے گی ۔ اس اثناء میں علی گڑھ سے سرسید احمد خان نے اس یونیورسٹی کی سکیم کے خلاف تابڑ توڑ کئی مضمون لکھ ڈالے اور اپنی پرانی پالیسیوں اور تعلیمی پروگرام کو یکسر رد کرکے پنجاب یونیورسٹی پر زبردست حملے کیے ۔ اس صورت حال سے ظاہر ہے کہ پنجاب میں آن کے خلاف شدید رد عمل پیدا ہوا ۔

سرسید احمد خان کے نزدیک مشرقی علوم اور دیسی زبانوں کی ترقی بے معنی بات بن گئی اور اسی خیال سے انھوں نے پنجاب یونیورسٹی کو قوم کے لیے آفت عظیم قرار دیا ۔

''یونیورسٹی کالج لاہور نے اب تک ہم کو کس نتیجہ پر پہنچایا ہے جو آئندہ پوری یونیورسٹی ہو کر اور مردہ علوم مشرق کو زندہ کرکے اور ہماری شائستگی کو پھر پیدا کرکے ہم کو پہنچاوے گی ۔ کچھ شبہ نہیں کہ یونیورسٹی کالج اب بھی ہماری ترقیوں کا سد راہ ہے اور جب وہ یونیورسٹی ہو جاوے گا اور ضرور ہو جاوے گا تو ملک کے لیے ، قوم کے لیے ، ملکی ترقی کے لیے ، قومی ترقی کے لیے آفت عظیم ہوگا ۔''

''پنجاب یونیورسٹی ، اگر قائم ہو جائے تو ہمارے حق میں بجز اس کے کہ ہمارے اعلیٰ درجے کی یورپین تعلیم کو برباد کر دے اور اس پالیسی پر عمل کرے جو ہمیں برباد کرنے والی ہے اور کیا کرے گی ؟''۱۹

سرسید کے ان بیانات سے پنجاب میں آن کے خلاف جو رد عمل ہوا اس سے خود سرسید بھی پریشان ہوئے کیونکہ انھیں معلوم ہوا کہ آن کی نیت پہ بھی حملے کیے جا رہے ہیں اور ان کے رویے کو پنجاب دشمنی کے مترادف سمجھا جا رہا ہے۔ اس صورت حال کا سامنا کرتے ہوئے سرسید کو اپنے تند و تیز بیانات میں ترمیم کرنا پڑی اور انھوں نے پنجاب یونیورسٹی کے بارے میں اعتدال پسندانہ رویہ اختیار کیا۔ سرسید نے اس صورت حال کے بارے میں کہا۔

''ہمارے دو آرٹیکلوں نے جو اسی آرٹیکل سے اوپر چھپے ہیں ہمارے پنجاب کے دوستوں کو گھبرا دیا ہے بلکہ کسی قدر رنجیدہ کر دیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان آرٹیکلوں سے ہم کو بالتخصیص پنجاب یونیورسٹی پر حملہ کرنا مقصود ہے اور اپنے حسن ظن سے اس کی بنیاد حسد پر قائم کی ہے۔ ہم کو افسوس ہے اگر یہ کمینہ خصلت ہم میں ہے۔ پنجاب یونیورسٹی جس کے اصول سے بلاشبہ ہم مختلف الرائے ہیں اگر وہ یونیورسٹی ہو جائے تو ملک کو اور ایسے ملک کو جس میں تین اور یونیورسٹیاں موجود ہیں کوئی معتدبہ نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اگر وہ صحیح اصول پر قائم ہوتی ہے اور اس سے ملک کو برخلاف ہماری رائے کے فائدہ پہنچنے والا ہے چشم ما روشن ہماری عین خوشی ہے کہ ملک کو فائدہ پہنچے اور ہماری رائے غلط ثابت ہو اور اگر وہ درحقیقت ملک کو فائدہ پہنچانے والی نہیں ہے تو اس کو ہونے دو اس سے مخالفت کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ خود اس میں ناکامی کا بیج ہے اور وہ آپ ہی ناکام ہو جائے گی۔''۲۰

اس صورت حال میں سرسید احمد خان نے اپنے لیے ایک واضح پالیسی اختیار کی اور یہ اعلان کیا کہ ملک و قوم کی ترقی کا تمام تر دارو مدار محض مغربی علوم اور مغربی زبان پر ہے انھوں نے کہا کہ ہمارے ملک اور قوم کو اگر درحقیقت ترقی کرنی ہے تو اس کے لیے بجز اس کے اور کوئی راہ نہیں ہے کہ وہ علوم مغربی و زبان مغربی میں اعلیٰ درجے کی ترقی حاصل کرے۔ ہماری دولت ، ہماری حشمت ، ہماری عزت اور سوشل و پولیٹیکل حالت کا سارا دار و مدار اسی بات پر ہے جو شخص کہ ہم کو اس راہ سے بھٹکانا چاہتا ہے بلاشبہ وہ ہمارے ملک کا دوست نہیں ہے ، بلکہ بلاشبہ دشمن ہے اور ہم کو دھوکہ دیتا ہے۔

پنجاب یونیورسٹی کی مجوزہ ہیئت پر تبصرہ کرتے ہوئے انھوں نے اس یونیورسٹی

کی افادیت سے مکمل طور پر انکار کیا۔

"ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ پنجاب یونیورسٹی مردہ مشرقی علوم اور مشرقی زبان کو زندہ کرکے اور ٹوٹی پھوٹی انگریزی سکھلا کر ہم کو کیا بخشے گی اور ہم کو کس رتبہ پر پہنچاوے گی۔"[٢١]

حقیقت یہ ہے کہ سرسید احمد خان نے پنجاب یونیورسٹی کے مجوزہ خاکے کو توڑ پھوڑ کر پیش کرکے یہ ظاہر کیا کہ پنجاب یونیورسٹی کا مقصد محض مشرقی علوم اور زبانوں کے حصول تک ہی محدود ہے یا پھر ٹوٹی پھوٹی انگریزی سکھلانا ہے۔ حالانکہ ١٨٦٩ء میں جب پہلے پہل پنجاب یونیورسٹی کالج وجود میں آیا تو اس کے ابتدائیہ میں واضح طور پر یہ کہا گیا تھا کہ انگریزی تعلیم مجوزہ یونیورسٹی میں تعلیم کی ایک بڑی شاخ ہوگی اور وہ مضامین کہ جن میں دیسی زبان میں تعلیم اور امتحان دینا ممکن نہیں ہے ان میں انگریزی کو اختیار کیا جائے گا اور یہ یونیورسٹی اس بات کا اہتمام کرے گی کہ تمام علوم و فنون دیسی زبانوں کے ذریعے یورپین طریقہ تعلیم، بموجب سکھلائے جائیں گے۔ تعلیم اگرچہ دیسی زبان میں ہوگی مگر اس کی نگرانی ایسی ہوگی کہ طلبہ کو وہ فوائد تعلیم حاصل رہیں جو ہندوستان کی دیگر یونیورسٹیوں سے حاصل ہوتے ہیں۔[٢٢]

پنجاب یونیورسٹی اسی ابتدائیے کے مطابق قائم کی جا رہی تھی۔ برصغیر کی دیگر یونیورسٹیوں میں یہ بات نہیں تھی۔ یہ یونیورسٹیاں قومی تہذیب و ثقافت کے شعور سے یکسر طور پر عاری تھیں۔ انیسویں صدی میں مشرقی زبانوں کے ذریعے قومی شعور پیدا کرنے کی یہ تحریک قابل قدر تھی یہ تحریک سرسید احمد خان کی طرح اپنے ماضی کے تہذیبی سرمائے کو مکمل طور پر رد نہیں کرتی تھی، بلکہ ماضی کے جاندار تہذیبی سرمائے اور تہذیبی عمل کو نئے دور کے سائنسی تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا چاہتی تھی۔ سرسید ماضی کے تہذیبی سرمائے سے مکمل طور سے انقطاع کا اعلان کر چکے تھے اور یوں وہ زمینی زندگی کے جملہ مظاہر سے بیزاری کا اظہار بھی کر چکے تھے۔ وہ برصغیر کے انسانوں کو مشورہ دے رہے تھے کہ تہذیب سیکھنے کے لیے پورے طور پر یورپین بن جاؤ۔ یورپین تعلیم اور یورپین تہذیب ہی ان کا اعلیٰ آدرش تھا جسے اختیار کرنے کا جذبہ شدت سے ان میں موجود تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ سرسید احمد خان پر حد سے زیادہ نو آبادیاتی ثقافتی غلبہ تھا۔ جس نے انھیں مشرق کے بارے میں ایک طرح کے ثقافتی صدمے سے دوچار کر دیا تھا۔ نو آبادتی ثقافتی غلبے سے مغلوب ہو کر ہی وہ پنجاب یونیورسٹی میں قومی تہذیبی سرمائے کی تحریک کی شدت سے مخالفت کر رہے تھے۔ سرسید احمد خان کے اسی رویے کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے انجمن پنجاب کی طرف سے

کہا گیا :

"جب ہم اپنی قوموں اور نشانوں ہی کو ملیامیٹ کر دیں تو ہمارے ستیاناس ہونے میں کیا کوئی کسر بھی خیال کی جا سکتی ہے ۔"[٢٣]

انجمن پنجاب کی رائے یہ تھی کہ سرسید احمد خان کی تہذیبی پالیسیوں کو اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ برصغیر کے لوگ اپنی قومی شناخت کو بھی گم کر دیں اور اس گمشدگی سے یہ ہوگا کہ کل ہماری نسلوں کی شناخت بھی مشکل ہو جائے گی ۔ انجمن اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ صحیح راستہ یہ ہے کہ فاتح قوم کی محض نقالی نہ کی جائے بلکہ اس کے کمالوں کو حاصل کیا جائے جس سے قوم ترقی کر سکے ۔"[٢٤]

پنجاب میں اورئینٹل یونیورسٹی کی حمایت کرنے والے با اثر افراد کی ایک کثیر تعداد موجود تھی ۔ جس میں یورپین اور مقامی لوگ شامل تھے ۔ سرسید احمد خان کے خلاف پنجاب کی مشرقی یونیورسٹی کی حمایت میں جو محاذ قائم ہوا اس کے سربراہ ڈاکٹر لائیٹنر تھے ۔ پنجاب کے دو بڑے تہذیبی شہر امرتسر اور لاہور اس تحریک کے مراکز تھے ۔ پورے پنجاب میں یہ محسوس کیا جا رہا تھا کہ پنجاب کے پڑھے لکھے باشندے گذشتہ پندرہ برس سے جس مہم کو چلا رہے تھے ۔ سرسید کی مخالفت نے اس کو نقصان پہنچایا ہے ۔ ٢٨ جولائی ١٨٨٠ء کو امرتسر میں ایک جلسہ ہوا جس سے ڈپٹی برکت علی خان ۔ ڈاکٹر رحیم خان ، راجہ ہربنس سنگھ اور ڈاکٹر لائیٹنر نے یونیورسٹی کے سلسلے میں خطاب کیا ۔ ایک جلسہ اسی دوران میں لاہور میں منعقد ہوا جس میں ایک قرارداد پاس کی گئی ۔

"ہم ارکان جلسہ کسی ایسی تحریک کو روا نہیں رکھ سکتے جس کا مدعا یہ ہو کہ بانیان یونیورسٹی کالج کے مقاصد میں اختلال اور تزلزل واقع ہو ۔ چنانچہ ان مقاصد کی تائید میں ہم ارکان جلسہ ہذا کی تمنا ہے کہ انگریزی اور مشرقی تعلیم دونوں کو پوری پوری ترقی دی جاوے اور جیسے انگریزی کو مشرقی علوم کی وجہ سے نقصان نہ اٹھانا چاہیے اسی طرح مشرقی تعلیم ، مغربی تعلیم کی وجہ سے پستی اور زوال کی حالت میں نہ رہے ۔"[٢٥]

سرسید احمد خان کے اس دعوی کی تردید میں کہ محض انگریزی زبان ہی سے علوم کی تحصیل ممکن ہے ، انجمن پنجاب نے زور دار مضمون شائع کیا جس میں یہ دعوی پیش کیا گیا تھا کہ دنیا کے کسی ملک نے آج تک غیر زبان کو اپنا کر ترقی نہیں کی اور جو قوم غیر زبان کو اپناتی ہے ترقی نہیں کر سکتی برباد ہو جاتی ہے ۔

"ہم نے تمام دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں دیکھا اور نہ تاریخ نے بتایا کہ

جس نے اپنی دیسی زبانوں اور دیسی علوم میں ترقی کیے بغیر عزت و دولت و حشمت و حکومت حاصل کی ہو ۔ انگلینڈ ، فرانس ، اطالیہ وغیرہ بہت سے ممالک کی تاریخیں بتا دیں گی کہ ان ممالک نے جب اپنی دیسی زبانوں اور دیسی علوم میں ترقی حاصل کر لی تب شائستگی کے رتبے تک پہنچے اور ہم دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اگر یہ ممالک اپنی دیسی زبانوں اور دیسی علوم میں ترقی نہ کرتے تو کبھی یہ عزت حاصل نہ کرتے جو اب انہوں نے کر رکھی ہے اور اگر کوئی ہم کو بتا دے گا کہ کسی ملک نے غیر زبان کو ذریعہ حصول تعلیم مانا ہے تو ہم اس کو ضرور بتا دیں گے کہ بے شک یا تو وہ قوم برباد و معدوم ہو گئی ہوگی یا بربادی کے کنارے تک پہنچ جائے گی اور جب قوم بربادی کے کنارے تک پہنچ جائے تو خیال کرنا چاہیے کہ اس نے غیر زبان کی تعلیم کے طفیل سے کیا خاک حاصل کیا ۔ ہاں بربادی و معدومیت سے بھی کوئی نیچر کے مسئلے کی رو سے ترقی ہو تو شاید اس سے بے خبر ہوں گے ۔''[٢٦]

انجمن پنجاب کے اس دعویٰ کا جواب دیتے ہوئے سرسید احمد خان نے کہا :

''ہندوستان میں اس خیال کا پیدا کرنا کہ ہم مشرقی علوم اور دیسی زبان اور دیسی علوم کو ترقی دے کر عزت و دولت و حشمت و حکومت حاصل کریں گے بعینہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی امریکہ کے اصل باشندوں کو خیال دلائے کہ تم اپنی دیسی زبان اور دیسی علوم میں ترقی کرکے اپنی حکمران قوم میں عزت و دولت و حشمت و حکومت حاصل کرو گے ۔''[٢٧]

مندرجہ بالا دعویٰ میں سرسید نے امریکہ کی قدیم غیر مہذب اقوام کو جس طرح برصغیر کی مہذب اقوام سے مطابقت دی ہے ، اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی بات ثابت کرنے کے لیے ہر قسم کی مثال پیش کرنے سے بھی گریز نہ کر رہے تھے ۔ انجمن پنجاب کی طرف سے اس مثال کے بارے یہ جواب دیا گیا ۔

''امریکہ اور ہندوستان کی مثال ایک نہیں ہو سکتی ۔ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جو بڑے بڑے علوم و فنون کا مخزن تھا جس کو سب نے مانا ہے ۔ ملک امریکہ کوئی ایسا نام اور ملک نہیں ہے جس میں علوم و فنون نے جلوے دکھائے ہوں ۔ وہ تو ان ممالک کا فیض یافتہ ہے جنھوں نے ہندوستان ہی سے کچھ حاصل کر لیا ہے ۔ امریکہ کے قدیمی علوم و فنون تو ہم نے کانوں بھی نہیں سنے ۔ ہاں ہندوستان کے تو اظہر من الشمس ہیں ۔''[٢٨]

انجمن پنجاب نے اورئینٹل یونیورسٹی کی اس تحریک میں اپنے اس بنیادی اصول کو سختی سے اختیار کیا تھا کہ مادری زبان ہی کی تعلیم کے ذریعے حقیقی ترقی ک

راستہ کھل سکتا ہے ۔ انجمن پنجاب نے اس مسلک کی اشاعت میں سرگرمی سے تحریک چلائی اور یہ یقین دلایا کہ مغربی علوم کو پنجاب یونیورسٹی ترجموں کے ذریعے پھیلانے کا عزم رکھتی ہے ۔ سرسید نے یہ اعتراض بھی کیا تھا کہ ہندوستان میں کوئی واحد زبان نہیں ہے ۔ اس لیے کسی ایک زبان کو اختیار نہیں کیا جا سکتا لیکن انجمن کا موقف یہ تھا کہ شمالی ہندوستان کے نہایت وسیع علاقے میں 'اردو' اس حیثیت کی مالک ہے اور اسی میں پنپنے کے تمام تر امکانات موجود ہیں اس زبان کو اختیار کرنے سے یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے ۔ انجمن کی طرف سے اسی موقف کی وضاحت کرتے ہوئے یہ کہا گیا ۔

''پکا اصول یہی ہے کہ ہمارا ملک دوسرے ملک اور علوم سے جب ہی فائدہ اٹھائے گا جب ہم کو ہماری مادری زبان میں تربیت دی جائے گی اور پھر ہم اپنے مشرق اور مغربی علوم کو ٹٹول کر کچھ فوائد حاصل کریں گے جو ہم کو کرنے چاہئیں ، بھلا ہم کیوں کر اپنی مادری زبان کو بھلا سکتے ہیں ۔ ۔ ۔ پنجاب یونیورسٹی کالج نئی تحقیقات اور تصنیفات مغربی کے سب ترجمے کرکے ملک کے سامنے دھر دے گا ۔ یہی فائدہ ہے کہ وسائل ترقی ملک جاری کیے جاتے ہیں ۔ رفتہ رفتہ ملک آپ اس میں ترقی کرنے لگتا ہے ۔''[٢٩]

''بے شک ہمارا ملک اسی دن شباب حاصل کرے گا جب دیگر ملکوں کے علوم و فنون کی کتابوں کو اپنی زبان میں لے آئے گا جس کے آثار ملک مسرت کے ساتھ ظاہر کر رہا ہے اور ہم یہ کیوں کر مان لیں گے کہ ہم اپنی زبان میں دیگر ملکوں کے علوم و فنون کو لا ہی نہیں سکتے ۔ گو ہمارے ملک میں متعدد زبانیں ہیں ۔ مگر ہماری ایک اردو زبان نے ایسی ہونہاریاں دکھا رکھی ہیں ، جس سے بہت کچھ امید ہو سکتی ہے ۔ یہ ہماری زبان ایسی نہیں ہے کہ جس پر کامل زبان کا اطلاق نہ ہو سکے اس میں سب علوم و فنون ترجمہ ہو سکتے ہیں ۔''[٣٠]

جہاں تک ترجموں کے ذریعے علوم کی اشاعت کا تعلق ہے ۔ سرسید احمد خان کی قائم کردہ سائنٹیفک سوسائٹی قابل قدر کام کر چکی تھی ، اور اس سوسائٹی میں اتنی اہلیت موجود تھی کہ وہ اس کام کو مزید آگے بڑھا سکتی تھی ۔ مگر بعد میں خود سرسید احمد اس کے خلاف ہو گئے اور انجمن پنجاب نے جب انہیں اس سوسائٹی کی خدمات یاد دلائیں تو انھوں نے کہا کہ اب وقت آگے بڑھ گیا ہے اور ترجموں کی ضرورت نہیں رہی ہے ۔ سرسید احمد خاں نے ترجموں کی اہمیت سے انکار کرکے ایک بڑی غلطی کی تھی اور یوں ملک میں پھیلنے والے علمی اور سائینسی شعور کو

انھوں نے اپنے نظریات ہی کے خلاف محدود کرنے کے وسائل مہیا کر دیے ۔ ذہنی طور پر وہ چاہتے تھے کہ نئے ہندوستان کی تعمیر نو جدید عہد کے سائنسی شعور کی بنیادوں پر ہو ۔ ملک ایک نئے بدلتے ہوئے تہذیبی ڈھانچے کی تشکیل کرے ۔ زندگی کا ہر شعبہ ، مغربی علوم و فنون کے حوالوں سے ازسر نو مرتب کیا جائے ، جہاں زندگی نہایت تیزی سے بدلتے ہوئے تہذیبی افق کے ساتھ حرکت کر سکے ۔ مگر ان نظریات کی اشاعت اسی صورت میں تیزی سے ہو سکتی تھی کہ برصغیر کی نئی نسل ان نظریات و افکار کو اپنی زبان میں حاصل کرے ، تاکہ ابلاغ کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اور ان نظریات کی صحیح ترین بنیادوں سے نوجوانوں کو آگاہی سے مل سکے ۔ یہ نئے دور کی سائنسی آگاہی سرسید احمد خاں کے تہذیبی شعور کا ایک زبردست فیضان تھا جس سے پورے ملک میں تیزی سے روشنی پھیلتی ، مگر انھوں نے اس فیضان کے فروغ اور اس کی اشاعت و ترویج کے ذرائع کو خود ہی محدود کر دیا ۔

انجمن پنجاب اور سرسید احمد خاں کے درمیان پیدا ہونے والے اس تنازعے میں فیصلہ کن کردار سرسید احمد خاں کا نہیں ہے ۔ اُن کی ساری مخالفت ایک خاص زاویے سے تھی ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ نظری طور پر انجمن پنجاب کا نقطۂ نظر خاصا وزنی معلوم ہوتا ہے ، مگر سرکاری دفاتر میں چونکہ برطانوی سرکار انگریزی کو اپنائے ہوئے تھی اس لیے اردو اور انگریزی میں ایک دو عملی کی صورت پیدا ہونے کا خدشہ موجود تھا ، پنجاب میں ذریعہ تعلیم اردو کو قرار دے کر اردو سرکاری زبان بنانا ضروری تھی ، جس کے بارے میں برطانوی حکمت عملی غیر واضح تھی ۔

سرسید اور انجمن کے درمیان پیدا ہونے والے تنازعہ میں فیصلہ کن کردار دو عناصر نے ادا کیا ۔

۱- وہ برطانوی عناصر جو مستشرقین کی حکمت عملی کے سخت خلاف تھے اور چاہتے تھے کہ انگریزی زبان کو مکمل فوقیت دے کر ذریعہ تعلیم بنایا جائے ۔

۲- ۱۸۸۲ء میں تعلیمی کمیشن کی سرگرمیوں کے باعث پنجاب میں سہ لسانی صورت حال پیدا ہوگئی تھی ۔ اردو ، ہندی اور پنجابی کو ذریعۂ تعلیم قرار دینے کے لیے ان تینوں زبانوں کے حمایتی تیزی سے سرگرم تھے ۔ بالعموم مسلمان ، ہندو اور سکھ علی الترتیب ان زبانوں کے لیے دعویٰ رکھتے تھے ۔ ۱۸۸۲ء کے لگ بھگ پنجاب کا ہندو پریس نہایت سرگرمی سے ہندی زبان کی حمایت کر رہا تھا ۔ ''اخبار عام'' ، ''ریفارمر'' اور دوسرے اخبار اس تحریک کی حمایت کر رہے تھے ۔ ہندی کی حمایت میں

مختلف انجمنیں شہر بہ شہر جلسے کرکے موافق ماحول پیدا کر رہی تھیں ۔

۱۸۸۲ء ہی وہ اہم سنہ ہے جب کہ پنجاب یونیورسٹی کو مکمل یونیورسٹی کا درجہ ملنے والا تھا اور ساتھ ہی ساتھ تعلیمی کمیشن کا نتیجہ بھی منظر عام پر آنے والا تھا ۔ اس عہد میں برطانوی حکومت کے لیے اردو ، ہندی یا پنجابی ، کسی ایک زبان کو بطور ذریعہ تعلیم اختیار کرنے سے لسانی بحران پیدا ہو سکتا تھا۔ جس سے فرقہ وارانہ کشیدگی کے پیدا ہونے کا وسیع امکان موجود تھا ۔ لہذا برطانوی حکمت عملی کے تقاضوں کے مطابق ان میں سے کسی زبان کو بھی یونیورسٹی کے لیے ذریعہ تعلیم قرار نہ دیا گیا اور غالباً برطانوی سرکار نے پورے برصغیر میں یکساں لسانی پالیسی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا اور یوں انگریزی کو اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ بنا دیا گیا ۔

حوالے

1. Abstract of the proceedings of the 'Society for the Diffusion of useful knowledge' from commencement to end of March 1865 p. 1.
2. Proceedings of the Government of the Punjab, Education, March 1865, p. 112.

۳- رسالہ انجمن پنجاب فروری ، مارچ ۱۸۶۵ء -

۴- ایضاً -

5. Proceedings of the Government of the Punjab, Education, June 1865, p. 204.

۶- اپیل بخدمت رئیسان لاہور از طرف جلسہ انجمن پنجاب منعقدہ ہفتہ اول اگست ۱۸۶۵ء مندرجہ رپورٹ پنجاب یونیورسٹی کالج ۱۸۸۰ء -

۷- ایضاً -

۸- ایضاً ۵۰ - ۴۹ -

۹- ایضاً ص ۵۱ -

۱۰- رسالہ انجمن پنجاب ستمبر ۱۸۶۷ء -

۱۱- سرسید احمد خان - حالات و افکار ، ص ۱۰۰ - ۹۹ -

۱۲- ایضاً ص ۱۳۲ -

۱۳- مقالات سرسید حصہ ہشتم ص ۵۲ مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی -

۱۴- سرسید احمد خان حالات و افکار ص ، ۱۱۳ - ۱۱۲ -

۱۵- ایضاً ، ص ۱۱۴ - ۱۱۳ -

۱۶- مکاتیب سرسید مرتبہ مشتاق حسین ، ص ۳۵ - ۳۴ -

۱۷- ایضاً -